جنگی قیدیوں کے متعلق اسلامی تعلیمات کا معاصرانہ تطبیقی مطالعہ

Islamic teachings about prisoners of war: A contemporary applied study.

Hafiz Fazal Haq Haqani*
Dr. Javed Khan**

Abstract
It is above-board that Islam has complete guidance for its followers in each and every field of life. It demands an individual to spend his best effort to do the lawful purpose. Jihad or war is one of among these commandments. It has its own principles, conditions and objectives. When the warriors has been arrested at the end of war, they are called prisoners of war. The present paper explores the rights of the prisoners in Islamic law.it discusses the differences of opinions among the early jurists regarding the prisoners of wars. The paper finds that the Holy Quran mentions two ways to terminate captivity, which is freedom gratis (*Mann*) and ransom (*fida*).On the other hand two other options: slaying and slaving are derived from the practice of the Holy prophet peace be upon him. The slaying or execution had been very rare practice in Islamic history, and many jurists have generalized exceptional cases the execution and enslavement of prisoners of wars. This paper debates all these treatments fully emphasized with arguments keeping in mind the differences among early well known jurists.
Keywords: war, prisoner, jurist, *Naskh*, Islamic law, punishment.

تعارف:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہمہ گیر مذہب ہے۔اس لئے اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر امر کے متعلق راہنما اصول عطا کرتا ہے۔ہر جائز کام کو محض ادا کرنا اور اس سے گلو خلاصی مطلوب نہیں ،بلکہ اسے احسن طریقہ سے بجالانا شریعت کا منتہاء مقصود ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے" کہ جب تم کسی جانور کو ذبح کرنے لگو،تو اسے اچھی طرح ذبح کرو،کیونکہ اللہ نے ہر کام کو احسن طریقہ سے سرانجام دینے کو لازم کررکھا ہے"[1] اس سے معلوہوتا ہے کہ اعلی سے لے کر ادنی کام تک، شریعت نے کچھ شرائط اور حدود مقرر کئے ہیں۔انہی کاموں میں سے ایک جہاد کا امر بھی ہے۔ جس کے اپنے اصول شرائط،اور کچھ مقاصد ہیں،جن کے بغیر،جہاد وہ مقدس فریضہ متصور نہیں ہوتا، جس کا اللہ رب العزۃ نے حکم فرمایا ہے۔ مثلا کیا دشمن کے ہر شخص پر حملہ کیا جائے گا،یا مخصوص افراد اس سے مستثنی ہوں گے ؟اسی طرح جہاد ختم ہونے کے بعد فریقین ایک دوسروں کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے ؟مال غنیمت کے کیا احکامات ہیں ؟قیدیوں کے ساتھ کیسے برتاؤ کیا جائے گا؟ یہ مقالہ انہی جنگی قیدیوں کے حقوق پر بحث کرے گا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا؟ کیا ان کو مارنا جائز ہے ؟ اگر ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں ؟ اگر مارنا جائز نہیں تو ان کے ساتھ کیا رویہ روا رکھا جاسکتا ہے ؟ کیا غلام بنایا جاسکتا ہے ؟ اگر ہاں تو کیا یہ حریت انسانیت کے خلاف نہیں ؟ کیا ان کو دشمن قیدی کے بدلے ،یا مال کے بدلے

* Lecturer, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat.
** Lecturer, Department of Islamic & Arabic Studies, University of Swat.
Email: javed4842@gmail.com

چھوڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت ہے تو اس کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ان کو غیر مشروط طور پر احسان کرتے ہوئے چھوڑا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ نہیں ہوگا۔؟ لہذا ان چند سوالات کے جوابات اصول اسلام کی روشنی میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔اور فقہاء کے درمیان اختلافات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔اور اسلامی قانون کے مطابق جنگی قیدیوں کے ساتھ کون کونسے سلوک روا رکھے جا سکتے ہیں؟ان سب کو واضح کرنے کی سعی کی جائے گی۔ مقالہ ہذا میں صرف جنگی قیدیوں کے ساتھ اپنائے جانے والے اختیارات پر بحث کی جائے گی۔فقہاء کے درمیان پائے جانے والے فروعی اختلاف اور اس نتائج کو زیر بحث لایا جائے گا۔

اسلامی اصول کا سب سے بنیادی اور مستند اصل، بلاشبہ قرآن کریم ہے۔ سورہ بقرۃ کی آیت اس استناد کی دلیل ہے۔ فرمان باری تعالی ہے کہ ''اس کتاب کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے''[2]۔ چنانچہ قرآن کریم میں جنگی قیدیوں سے متعلق دو آیات آئی ہیں۔ پہلی آیت سورہ توبہ کی آیت ہے۔''فااذاانسلخ الاشهر الحرم فااقتلواالمشركين حيث وجدتموهم ،و خذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد '' [3]سو جب اشہر حرم گزر جائیں تو (اس وقت) ان مشرکین کو جہاں پاؤ، مارو، پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں پر ان کی تاک میں بیٹھو۔[4] دوسری آیت جو جنگی قیدیوں کے متعلق پائی جاتی ہے وہ سورہ محمد کی درج ذیل آیت ہے۔'' فإذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى إذا أثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منا بعد وإما فداء ''[5]جب کفار سے گھمسان کا رن پڑ جائے تو گردنوں پر وار مارو، جب ان کا خوب کٹاؤ کر چکو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو پھر اختیار ہے کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے الخ''[6]۔درج بالا دونوں آیات میں جنگی قیدیوں کے متعلق مسلمانوں کو اصول بتلائے گئے ہیں۔ پہلی آیت میں جنگ ختم ہونے کے بعد ان کو گرفتار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں گرفتار کرنے کے بعد دو اختیارات دے گئے ہیں۔اس پر احسان کرتے ہوئے آزاد کرنا یا اس سے فدیہ اور بدلہ لے کر چھوڑ دینا۔

آیات بالا کے نسخ کے متعلق فقہاء کرام کی تفصیلی آراء:

علامہ طبریؒ فرماتے ہیں، اہل علم کا ان آیات کے منسوخ ہونے کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے ہاں سورہ توبہ والی آیت ناسخ اور سورہ محمد والی آیت منسوخ ہے۔ یہ قول ابن جریجؒ، امام سدیؒ، اور ابن قتادہؒ کا ہے۔ البتہ ابن قتادہؒ ناسخ اس آیت کو مانتے ہیں ''فإما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم يذكرون''[7]۔ پس جب کبھی تو لڑائی میں ان پر غالب آجائے انہیں ایسی مار مار کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں، ہو سکتا ہے کہ وہ عبرت حاصل کریں[8]۔امام جزریؒ فرماتے ہیں کہ ابو بکرؓ کو ایک قیدی کے متعلق خط لکھ دیا گیا کہ ہم ان سے فدیہ لے کر چھوڑنا چاہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ اسے قتل کر ڈالو کیونکہ میرے ہاں ایک مشرک کا قتل کر دیا جانا فلاں فلاں چیز سے محبوب ہے[9]۔ اسی طرح ابن عباسؓ اور امام ضحاکؒ سے بھی منقول ہے کہ سورہ توبہ والی آیت نے سورہ محمد والی آیت منسوخ کی ہے، لہذا اب مشرکین کیلئے شہر حرم کے نکلنے کے بعد کوئی عہد اور ذمہ نہیں دیا جائے گا۔ جبکہ دوسرے فقہاء جن میں امام ضحاکؒ، عطاءؒ اور مجاہدؒ کی رائے یہ ہے سورۃ محمد والی آیت ناسخ اور سورۃ توبہ والی منسوخ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حسنؒ سے روایت ہے کہ حجاج نے چند قیدی پکڑے جن میں سے

ایک ابن عمرؓ کو قتل کرنے کیلئے دیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اس کی اجازت نہیں دی گئی اور پھر سورۃ محمد والی آیت پڑھی۔ اس واقعہ سے استد لال کرتے ہوئے حسنؒ فرماتے ہیں اگر قتل کرنے کی اجازت ہوتی تو صحابہ اس کا کام پہلے ہی تمام کر چکے ہوتے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ قیدی کو مارنا جائز نہیں بلکہ اسے یا تو احسانا چھوڑنا چاہئے یا پھر بدلہ لے کر چھوڑ دیا جائے گا، یا اسے غلام بنایا جائے گا۔[10]

امام طبریؒ ان دونوں آراء کو نقل فرمانے کے بعد کہتے ہیں کہ درست بات میرے نزدیک یہ ہے کہ کوئی بھی دوسرے کیلئے منسوخ نہیں ہے، کیونکہ نسخ کا معنی کسی سابقہ ثابت شدہ حکم کو دوسرے حکم کے ذریعے ختم کرنا ہے۔ اور یہ بات پنی جگہ مسلم ہے کہ مشرکین کو بہر صورت قتل کرنا کبھی بھی واجب نہیں رہا کہ اسے من اور فداء کے ذریعے منسوخ قرار دیا جائے۔ لہذا یہ تینوں طریقے اسلامی تاریخ کی پہلی جنگ (جنگ بدر) سے ہی رائج رہے ہیں۔ لہذا دونوں آیات کے معنی کی توجیہ یہ ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، پھر ان کو پکڑو قتل کرنے، احسان کرنے اور فدیہ لینے کیلئے۔[11] واللہ اعلم۔

امام قرطبیؒ مزید فرماتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ کوئی بھی آیت دوسرے کیلئے منسوخ نہیں۔ بلکہ دونوں آیات محکم ہیں، کیونکہ نسخ وہاں ہوتی ہے، جہاں کوئی حکم قطعی طور پر دوسرے کے خلاف ہو اور دونوں پر عمل ممکن نہ ہو، اگر دونوں میں تضاد نہ ہو بلکہ ہر ایک پر عمل ممکن ہو تو اور دونوں کو تطبیق دی جا سکے تو وہاں نسخ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ ابن عمرؓ، اور حسنؒ کا قول ہے۔ اور امام کو چار اختیارات حاصل ہیں، جس میں مسلمانوں کی بھلائی ہو اور مفاد عامہ ہو اسی کو اختیار کرے۔ قتل، استرقاق، من اور فداء۔ اور آپ ﷺ نے جنگ بدر میں نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط کو قتل کیا ہے جبکہ ثمامہ بن اثال پر احسان کرتے ہوئے چھوڑا اور باقیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑا ہے۔ اور یہی امام مالکؒ، شافعیؒ اوزاعیؒ اور احمد بن حنبلؒ سب کا مذہب ہے۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق جو امام طحاویؒ نے نقل کی ہے، ابو حنیفہؒ کا بھی یہ مذہب ہے۔ اسی طرح احناف میں امام اوزاعیؒ بھی اس کے قائل ہیں۔[12]

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں آیات ایک دوسرے کے متضاد نہیں بلکہ موافق ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ [اثخان فی الارض] یعنی زمین میں خوب خونریزی پہلے ہونی چاہئے۔ اور اس کے بعد، قتل، استرقاق، من اور فداء کی اجازت ہے[13]۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ جو علماء سورۃ محمد کی آیت کے محکم ہونے کے قائل ہیں وہ تعداد میں دوسروں سے زیادہ ہیں۔ البتہ ان میں قتل کے جواز یا عدم جواز میں پھر اختلاف ہے۔

عدم جواز کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ سورہ محمد والی آیت جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں فدیہ لینے پر اللہ نے عتاب کا اظہار کیا تھا۔ اور اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے جب تک اچھی طرح زمین پر ان مشرکین کا خون نہ بہایا جائے تب تک ان سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے۔ لہذا وہ خون بھی بہایا جا چکا تو اب فدیہ لینے یا چھوڑنے کا ہی اختیار ہے۔ جبکہ قتل کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے چند مشرکین کو قتل کیا تھا۔، جیسے آپ ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ کو قتل کیا تھا[14]۔

ان دو آیات کے ظاہر سے ہمیں دو احکامات ملتے ہیں۔ سورہ توبہ والی آیت میں قتل کا حکم دوران جنگ سے متعلق ہے، اور وہ بھی مطلق نہیں ہے کہ جس جگہ بھی مشرکین کو پاؤ تو انہیں قتل کر دو، کیونکہ دوسری آیت میں اس کو بھی مقید کیا گیا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے۔ ''ولا

تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فإن قاتلوكم فاقتلوهم"[15] کہ مسجد حرام کے پاس ان کے ساتھ لڑنے میں پہل نہ کرو۔ اگر وہ لڑیں تو پھر تم بھی لڑو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ مارنے کا حکم مطلقا نہیں ہے۔ رہی بات یہ کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ تو اس بارے میں سورۃ توبہ والی آیت میں صرف پکڑنے کا حکم ہے البتہ امام سرخسیؒ 'اقتلوا المشركين حيث وجدتموهم " کے عام ہونے کا اطلاق جنگی قیدی پر کرتے ہوئے اس کے قتل کی دلیل اس آیت کو گردانتے ہیں۔ اور ہمارا موضوع دوران جنگ لڑنے والوں سے متعلق نہیں بلکہ جنگ کے بعد قیدیوں کے متعلق ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ تو اس بارے میں سورہ محمد رہنمائی کرتی ہے کہ ان کے ساتھ دو قسم کا سلوک کیا جا سکتا ہے۔ احسان کر کے چھوڑنا یا فدیہ لے کر چھوڑنا, البتہ قتل کرنا اور غلام بنانا آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے ثابت ہے۔ مثلا آپ ﷺ نے جنگ بدر میں دو مشرکین، جنگ احد میں ابو عزہ الشاعر کو قید کرنے کے بعد قتل کیا۔ اسی طرح فتح خیبر کے موقع پر علی بن ابی الحقیق کو حکم دیا تھا کہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں چھپائے گا، پس جب اس نے خیانت کرتے ہوئے، حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے اسے بھی قتل کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ہلال بن خطل، مقیس بن حبابۃ اور عبد اللہ بن ابی سرح کو قتل کرایا۔ اسی وجہ سے ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں۔" اتفق فقهاء الأمصار على جواز قتل الأسير لا نعلم بينهم خلافا فيه " سارے بلاد کے فقہاء کا جنگی قیدی کے قتل کرنے پر اتفاق ہے۔ ہمیں ان کے درمیان اس بابت اختلاف کا کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن قیدیوں کو آپ ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا، وہ عام قیدی نہیں تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص پس منظر تھا۔ مثلا نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط، مکہ میں حد درجہ آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے۔۔ ابو عزہ الشاعر آپ ﷺ کی معاذ اللہ ہجو بیان کرتا تھا اور جنگ میں اس شرط پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ پھر ایسا نہیں کرے گا۔ البتہ جب اس نے پھر ایسا کیا تو آپ ﷺ نے قتل کا حکم دیا، ایسے ہی ہلال بن خطل وغیرہ کے بھی کچھ مخصوص برے کارنامے تھے۔[16]

البتہ "حتى يثخن فى الارض" [17] سے قیدی کے قتل کا ثبوت بھی ملتا ہے، جس پر کہ آپ ﷺ نے عمل کر کے بتایا۔ اور قیدی کے قتل کی دوسری دلیل امام سرخسی کے ہاں' 'اقتلوا المشركين حيث وجدتمو هم " ہے[18]۔

احناف کے مشہور مذہب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک علت پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ کہیں قیدی دوبارہ دشمن کے ساتھ مل کر ان کی طاقت میں اضافہ نہ کریں۔ اور یہ صرف اور صرف مال کھا کر آزاد کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ باقی ان کو غلام بنانے یا ذمی بنانے کی صورت میں تو وہ مسلمانوں کے ماتحت رہیں گے۔ البتہ تبادلے کی صورت میں جہاں دشمن کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے وہاں مسلمانوں کی طاقت میں بھی تو اضافہ ہوگا۔ لہذا دونوں برابر ہیں۔ جبکہ قتل واسترقاق میں بھی درج بالا علت نہیں پائی جاتی۔ لہذا ان پر عمل بھی درست ہے۔

فقہاء نے جنگ میں پکڑے جانے والے قیدیوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ مقاتلین اور غیر مقاتلین، پہلے کو فقہی اصطلاح میں "اسری" اور دوسرے کو "سبی" کہا جاتا ہے[19]۔ البتہ ان دونوں کے احکامات کچھ ذیلی اختلاف کے ساتھ ایک جیسے ہیں۔ ذیل میں ہر دو کے احکامات

کے متعلق فقہاء کرام کی آراء کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ عام طور پر مسلمان حکمران کے پاس ان کے متعلق چار اختیارات ہیں۔ قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ لینا، احسان کرتے ہوئے رہا کرنا۔

قتل۔ اس بارے میں سارے فقہاء کا اتفاق ہے کہ مقاتلین قیدیوں کو قتل کیا جا سکتا ہے، البتہ اس کیلئے اس درجہ کا جواز ہونا چاہئے کہ اس جرم کے پاداش میں اسے قتل کیا جا سکے۔ کیونکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے بھی ہر عام قیدی کو قتل نہیں کیا۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ البتہ غیر مقاتلین قیدیوں کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ انہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا یا نہیں۔ اگر دشمن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑے ہوں تو بالاتفاق ان کو قتل کیا جا سکتا ہے، سوائے بچوں کے۔ کہ ان کو احناف کے ہاں قتل نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مکلف اور ممیز ہی نہیں، اگر انہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تو احناف کے ہاں ان کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ جمہور فقہاء ان کو قتل کرنے کی کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس اختلاف کی وجہ علت کا مختلف ہونا ہے۔ ہمارے ہاں علت قتل "جنگ" لڑنا ہے جبکہ ان کے ہاں "کفر" کا پایا جانا ہے۔ چونکہ محاربہ یہاں معدوم ہے تو حکم بھی نہیں پایا جائے گا۔ البتہ کفر کی علت موجود ہے تو حکم بھی پایا جائے گا۔[20]

غلام بنانا۔ سارے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقاتلین و غیر مقاتلین سب قیدیوں کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ سے اجماعی طور پر یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے غلام رکھے ہیں۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں "أن استرقاق الأسير جائزٌ، وفيه منفعةٌ للمسلمين من حيث المال"[21]۔ یعنی کسی قیدی کو غلام بنانے میں مسلمانوں کا مالی فائدہ ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے گا۔ باقی یہ سوال کے غلام کو تو بیچا جا سکتا ہے، حالانکہ انسان کوئی مال مبیع تو نہیں کہ اسے بیچا جائے۔ تو اس کا جواب کتب فقہ میں یوں دیا گیا ہے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔ " الآدمي في الأصل خلقٌ مالكا لا مملوكا فصفة المملوكية فيه تكون بواسطة إبطال صفة المالكية وذلك مشروعٌ في حقهم بطريق الجزاء فإنهم لما أنكروا وحدانية الله تعالى جازاهم الله تعالى على ذلك بأن جعلهم عبيد عبيده."[22] [انسان کو بنیادی طور پر بطور مالک کے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ مملوک کے۔ پس جب اس کی صفت مالکیت ختم ہو جائے تو صفت مملوکیت اس کی جگہ لے گی۔ اور یہ قانون انسان کیلئے بطور سزا مقرر کی گئی ہے، کیونکہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں اپنے بندوں کا غلام بنا دیا۔]

مسئلہ غلامی اور اسلام:

اسلام اپنے متبعین میں سے کسی شخص کو، کسی بھی صورت میں دوسرے کو غلام بنانے کی اجازت نہیں دیتا، چاہئے ان کے درمیان کتنی ہی سخت عداوت اور دشمنی پائی جائے۔ پس دو آزاد والدین سے پیدا ہونے والا مسلمان کسی بھی طرح غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ لہذا ایک مذہب کے لوگوں میں غلامی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح، اسلام مسلمانوں کو اہل کتاب کو بھی غلام بنانے کی بھی اجازت نہیں دیتا جو ان کے ملک میں رہتے ہیں، اور مسلمانوں نے ان کے خاندان اور ان کے جان و مال کی حفاظت اپنے ذمے لی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ جو کسی الہامی دین کے ماننے والے نہیں جیسے بت پرست، یا وہ لوگ جن کے ساتھ ہم حالت جنگ میں نہیں ہیں۔ ان کو غلام بنانا بھی بالکل جائز نہیں ہے. پس اسلام نے ہر اس ناجائز طریقے کو ختم کر دیا ہے جس کے ذریعے قبل از اسلام لوگ احترام انسانیت کو پامال کرتے ہوئے انسانوں کی آزادی سلب کیا

کرتے تھے۔ پس کفار اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کے بغیر غلامی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اور جو شخص قیدی بن جانے سے قبل اسلام قبول کرے، یا دارالاسلام میں داخل ہو جائے اسے بھی غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اب جب جہاد کی اصل علت "محاربہ" یعنی دشمن کی طرف سے لڑنا پایا جائے تو مسلمانوں پر بھی ان سے لڑنا فرض ہو جائے گا۔ کیونکہ جہاد کی غایت اور مقصد اس صورت میں فوت ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مومن امن سے رہیں اور ان کیلئے اپنے دین و دنیا کے مصالح کا حصول ممکن ہو سکے۔ جب کفار اس میں رکاوٹ بن جائیں تو لا محالہ ان کو راستے سے ہٹانا پڑے گا۔ اب جب جنگ شروع ہو ہی گئی تو کفار مسلمانوں کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ وہ لازمی طور پر نہیں اپنا غلام بنائیں گے۔ تو کیا یہ انصاف ہے کہ مشرکین تو مسلمان قیدیوں کو اپنا غلام بنائیں اور مسلمان دشمن کے قیدیوں کو غلام نہ بنائیں؟ مزید برآں یہ کہ اسلام نے قیدیوں کو صرف غلام ہی بنانا لازمی قرار نہیں دیا بلکہ انہیں احسانا آزاد کرنے، یا قیدیوں کے بدلے چھوڑنے کا بھی اختیار دیا ہے۔ اگر وہ جزیہ دینے کیلئے تیار ہو تو وہ بھی اس سے قبول کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام، مختلف طریقوں سے غلاموں کو آزاد کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اب جبکہ بین الاقوامی قانون انسانیت نے غلام بنانے پر پابندی لگائی ہے، تو اس کی پاسداری کرنا ان مسلم ممالک کیلئے لازمی ہے جو اس کے ممبر ہیں۔

جس طرح امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ کر لیں تو اس کی پاسداری مسلمانوں پر لازم ہوتی ہے۔ اور جو اسلامی سلطنت اس کا حصہ ہیں ان کیلئے اس وقت تک غلام بنانے کا جواز نہیں جب تک وہ اس کا حصہ ہیں [23]۔

فداء۔ فدیہ لیکر چھوڑنا۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قیدی کے بدلے تبادلہ کرنا اور مال کے بدلے تبادلہ کرنا۔ احناف کے ہاں قیدی کے بدلے تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ صاحبین کا قول ہے جو ظاہر الروایہ بھی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مسلمان حکمران پر لازم ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھوں سے مسلمان قیدی چھوڑوائے اور وہ تبادلہ کے بغیر راضی نہ ہو تو مسلمانون کی مصلحت کے خاطر اس پر بھی عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے بنی عقیل کے دو مشرکین قیدی دو مسلمان قیدیوں کے بدلے چھوڑے تھے [24]۔ البتہ دشمن سے مال لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کے اصولاً مخالف ہیں۔ ہاں اگر مسلمان حاکم مال لینے میں مسلمانوں کی مصلحت سمجھے، اور وہ قیدی دشمن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان دینے کے قابل نہ ہو تو اسے مال کے بدلے چھوڑ سکتا ہے۔ البتہ وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کی مفاداۃ باالنفس والمال دونوں جائز نہیں، کیونکہ وہ اب دوسرے مسلمانوں جیسے ہیں۔ [25]۔ مالکی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نفس کے بدلے چھوڑنا جائز اور مال کے بدلے چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ [26] جبکہ شوافع دونوں کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی حنابلہ کا بھی مذہب ہے۔۔ [27]

"من" یعنی احسان کرتے ہوئے رہا کرنا۔ فقہاء احناف کے ہاں مسلمان حکمران اس طور پر آزا کر سکتا ہے کہ وہ ذمی بن کر دارالاسلام میں رہے اور جزیہ ادا کرے۔ دار الحرب نہ جائے، کیونکہ اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ ہو گا [28]۔ مالکی فقہاء کے نزدیک اگر قیدی مال دینے پر قادر نہ ہو تو اسے حکمران رہا کر سکتا ہے [29]۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں اگر غانمین میں تقسیم کیے جا چکے ہوں تو حکمران انہیں معاوضہ دیکر رہا کر سکتا ہے، اور اگر ان کے درمیان تقسیم نہ ہوئے ہوں تو اپنی مرضی سے رہا کر سکتا ہے [30]۔

جنگ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینے پر رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کو اللہ پاک کی تنبیہ کی وضاحت:

اس موقع پر ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ کئے جانے والے کاموں میں سے منجملہ ایک فداء بھی ہے، چاہئے وہ قیدیوں کے بدلے میں ہو یا مال کے بدلے ہو۔ تو پھر جنگ بدر میں قیدیوں کے بدلے اساری بدر کو رہانے کرنے پر اللہ کی طرف سے عذاب کی تنبیہ کیوں کی گئی ہے؟ کیونکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ " تریدون عرض الدنیا" میں عرض الدنیا سے مراد فدیہ لینا ہے۔ اسی طرح "فیما اخذتم" سے مراد " اخذتم ذالک الفداء" ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اور ابو بکرؓ رو رہے تھے، اور آپ ﷺ نے صراحت فرمائی کہ ہم فدیہ لینے کا حکم دینے پر رو رہے ہیں۔ مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ عذاب نازل ہوتا تو حضرت عمرؓ کے علاوہ کوئی بھی نہ بچتا۔ ان آیات اور احادیث سے یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہوئی کہ فدیہ لینے پر اللہ کے عذاب کا نزول ہونے لگا تھا، لیکن اللہ نے اپنے فضل سے اسے واپس کر دیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قیدی کو زندہ رکھنا اسی آیت کے رو سے جائز ہے جبکہ اس سے پہلے خوب خونریزی ہو چکی ہو، کیونکہ جنگ بدر میں ستر کفار کے گردن کاٹے جا چکے تھے۔ اور خونریزی کی یہ حد کوئی متعین نہیں تھی بلکہ یہ امام اور اس کے لشکر کی رائے پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ کہ اس حد تک خونریزی کی جائے کہ کفار پر رعب و دبدبہ طاری ہو جائے، اور آپ ﷺ اور صحابہ کے دلوں میں یہ مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ حقیقت حال ایسی نہیں تھی۔ پس یہ ایک اجتہادی غلطی تھی جس کے متعلق صراحۃً نص موجود نہیں تھی۔ اور چونکہ " نیکوں کاروں کی نیکیاں، مقربین کی غلطیاں" کہلاتی ہیں۔ اس لئے اس اجتہادی غلطی پر اللہ پاک نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور آپ ﷺ کا رونا اسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے تھا، کیونکہ آپ ﷺ کو اس پر افسوس ہوا تھا۔ کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ باقی یہاں فدیہ مشرکین اور مسلمان قیدیوں کے تبادلہ کی صورت میں ہوا تھا تاکہ مسلمانوں کی فوجی قوت بڑھ جائے نہ کہ کوئی ذاتی مقصد موجود تھی، کیونکہ ابو بکرؓ اور اکثر صحابہ کرام کی یہ رائے تھی اور آپ ﷺ نے بھی اسی پر فیصلہ فرمایا تھا۔ البتہ بعض صحابہ کے دل میں صرف دنیاوی مال کا حصول بھی آیا تھا۔ ان بعض کی وجہ سے اللہ نے سب کو مخاطب فرما کر تنبیہ فرمائی کہ اس مقدس و مکرم طائفہ کے شان شایان یہ بات نہیں تھی۔[31]

واللہ اعلم با الصواب

خلاصہ بحث

جنگی قیدی دو قسم کے ہیں۔ مقاتلین و غیر مقاتلین، جو لوگ قتال میں باقاعدہ حصہ لیتے ہیں وہ مقاتلین کہلاتے ہیں اور یہ عام طور پر آزاد مرد حضرات ہوتے ہیں، جبکہ عورتیں، بچے، نوکر اور بوڑھے عام طور پر غیر مقاتلین شمار ہوتے ہیں۔ البتہ مردوں میں کوئی جنگ میں شریک نہ ہو تو وہ بھی غیر مقاتل کہلائے گا۔ اسی طرح، بچے، عورتوں میں کوئی قتال میں حصہ لے تو وہ مقاتل تصور ہو گا۔ دونوں طرح کے قیدیوں کو عام طور پر چار سزائیں دی جاسکتی ہیں، یعنی قتل کرنا، غلام بنانا، فدیہ لینا، اور احسان کرتے ہوئے چھوڑ نا ہیں۔ اور یہ حق صرف مسلمان حکمران کو حاصل ہے۔ جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقاتلین قیدیوں کو قتل کیا جاسکتا ہے، چاہئے وہ مرد، عورت، بچہ کوئی بھی ہو۔ البتہ احناف

کے ہاں بچے کو استثناء حاصل ہے، کیونکہ وہ ممیز (mature) اور خود مختار نہیں ہوتے۔ ہیں اور غیر مقاتلین قیدیوں کو بھی جمہور فقہاء کے ہاں قتل کیا جاسکتا ہے جبکہ احناف کے ہاں انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن یاد رہے قتل کی سزا عام قیدی کو نہیں بلکہ سنگین نوعیت کے قیدی کو دی جائے گی جو نا قابل معافی جرائم کا مرتکب ہو۔اور اس کی چھان بین کرنا مسلمان حکمران کا فرض بنتا ہے۔ جیسے کہ سیرت رسول سے یہ بات واضح ہے۔اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ قتل کی سزا صرف اس قیدی کو دی جاسکتی ہے، جو ہنوز کافر ہو۔اگر گرفتار ہونے کے بعد اس نے کلمہ پڑھا ہو تو اسے قتل نہیں یا جاسکتا۔

دوسری سزا قیدیوں کو غلام بنانا ہے۔ تمام قیدیوں کو بلا تفریق غلام بنایا جاسکتا ہے۔البتہ یہ صرف حالت جنگ میں لڑتے ہوئے پکڑے جانے والے یا ویسے پکڑے جانے والے قیدی ہونے چاہئیں، بشرطیکہ گرفتار ہونے تک وہ حالت کفر پر ہوں جبکہ گرفتاری کے بعد اسلام قبول کرے تو اسے غلام بنایا جاسکتا ہے۔اور یہ اللہ پاک کی جانب سے ان کے کافر ہونے کی سزا ہے۔البتہ اگر مسلم سطنت نے کسی قوم کے ساتھ غلام نہ بنانے کا معاہدہ کیا ہو تو اس پر اس قانون کی پاسداری واجب اور لازمی ہے، جب تک وہ اس کا حصہ ہے۔

تیسری سزا فدیہ لینا ہے۔اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔احناف کے ہاں قیدیوں کا تبادلہ جائز البتہ مال کے بدلے فدیہ لینے کا بامر مجبوری جواز ہے ۔مالکی فقہاء کے ہاں قیدیوں کا تبادلہ جائز اور مال کے بدلے فدیہ لینا کسی صورت جائز نہیں۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں دونوں جائز ہیں۔

چوتھی سزا تو اسے نہیں کہا جاسکتا، البتہ چوتھا معاملہ، قیدی کو احسان کرتے ہوئے آزاد کرنا ہے۔احناف کے ہاں مسلمان حکمران قیدیوں کو رہا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ذمی بن کر دار الاسلام میں رہیں، جزیہ بھی ادا کریں اور دار الحرب نہ جائیں۔اگرچہ وہ فدیہ دینے پر بھی قادر ہوں۔مالکیہ کے ہاں اگر وہ فدیہ دینے پر قادر نہ ہوں تو انہیں احساناً آزاد کیا جاسکتا ہے چاہئے وہ دار الحرب بھی چلے جائیں۔شوافع اور حنابلہ کے ہاں درج بالا دونوں شرائط سے قطع نظر، (چاہئے وہ فدیہ دینے پر قادر ہو یا نہ ہو ، دار الاسلام میں رہے یا دار الحرب چلا جائے) مسلمان حکمران غانمین میں تقسیم سے قبل انہیں احسان کرتے ہوئے رہا کر سکتا ہے، البتہ تقسیم کرنے کے بعد مجاہدین کو عوض دینے کا پابند ہوگا۔

امام المسلمین کو ایک سے زائد اختیارات دینے کی وجہ:

چونکہ قیدی بھی مختلف صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض جنگجو اور لڑاکو ہوتے ہیں۔ جن کا زندہ رکھنا مسلمانوں کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے جبکہ وہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے قیدی ہونے کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کو قتل کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ بعض فطری طور پر خدمت گزار ہوتے ہیں، اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے قابل بھی نہیں ہوتے جیسے بچے اور عورتیں تو ان کو غلام بنانا بہتر ہوتا ہے۔ بعض جسمانی طور پر کمزور ہونے کے ساتھ مالدار ہوتے ہیں، ان سے فدیہ لینا بہتر ہوتا ہے۔ جبکہ بعض صاحب رائے اور عقلمند ہوتے ہیں۔ وہ احسان کا بدلہ دینا جانتے ہیں، ان کو ویسے آزاد کرنا بہتر ہوتا ہے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں۔اور ان مصالح کو حکمران اچھی طرح جانتا ہے، اسلئے یہ اختیار اس کو دیا گیا ہے، تاکہ وہ بوقت ضرورت دوسروں کے مشورے سے اس کا فیصلہ کر دے۔

واللہ اعلم با الصواب

نتائج

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱: قیدیوں کی سزامیں اسلام نے مسلمان حکمرانوں کو وسیع اختیارات دے ہیں، جس کی نظیر دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔

۲: ہر قیدی کے انفرادی احوال کی بھرپور رعایت رکھی گئی ہے اور حکمران اسی کو ملحوظ خاطر رکھ کر فیصلہ کرنے کا پابند ہے۔

۳: قیدیوں کی سزا تجویز کرتے ہوئے مسلمان حکمران کی نظر اور اس کے فیصلہ کا مرکزی محور، عامۃ المسلمین کا مفاد ہونا چاہئے.

سفارشات و تجاویز:

اس بحث کی روشنی میں درج ذیل تجاویز و سفارشات مرتب کئے جاتے ہیں:

۱۔ عہد نبوی میں قتل کی سزا پانے والے قیدیوں کے جرائم کو موجود دور میں جاننے کا کیا پیمانہ ہوگا؟ کیونکہ ان میں سے اکثر نے پیغمبر پاک ﷺ کی توہین کی تھی، یا انہیں ایذا پہنچائی تھی، یا ان کے سامنے جھوٹ اور عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے۔ آج کے دور میں سنگین اور ناقابل معافی جرائم کی تعیین اور تحدید کیسے کی جائے گی؟ ان روایات کی روشنی میں ناقابل معافی جرائم کی ایک لسٹ ہونی چاہیے۔

۲۔ اسلام کی نظر میں جنگ ایک ناگزیر مجبوری ہے۔ اس عمل میں حصہ لینے والے کو اسلامی تعلیمات اور ہدایات کا جاننا از بس ضروری ہے، کیونکہ اس میں غلطی کا نتیجہ انسانی جان کا ضیاع ہے جس کی تلافی اور تدارک کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسلئے جہاد کے ہر ہر پہلو اور زاویے پر کام کر کے اس کے آداب و حدود سمجھانے چاہییں، تاکہ اس مقدس عمل کو بخوبی انجام دیا جاسکے۔

۳۔ ائمہ اربعہ، جہادی احکامات کے اصول پر متحد ہونے کے باوجود فروعات کے متعلق مختلف آراء رکھتے ہیں۔ جو باقی احکامات اسلام کی طرح تنوع اور ہمہ گیریت کے متقاضی ہیں۔ اور اس دور میں جبکہ دنیا ایک " عالمی بستی"(Global Village) بن چکی ہے، جہادی احکامات کے فروعات میں پائی جانے والی لچک کو امت کے سامنے لانا، ایک مقدس مشن ہے، جس پر کام ہونا چاہئے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ أبوداود سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، ۱۴۳۰ھ، ج۴، ص۴۳۷

2۔ البقرۃ۔ آیۃ ۲

3۔ سورۃ توبہ، آیۃ ۵

4۔ تھانوي، اشرف علي، تفسير بيان القرآن مکتبہ رحمانیہ، اقرا سنٹر، غزني سٹریٹ، اردو بازار لاھور، ج ۲، ص ۱۱۵

5۔ سورۃ محمد، آیۃ ۴

6۔ ابن کثیر، مترجم۔ جوناگڑھی، محمد صاحب، شمع بک ایجنسی، یوسف مارکیٹ اردو بازار لاھور، ج ۵، ص ۱۰۳

7۔ الانفال، آیۃ ۵۷

8۔ ابن کثیر، مترجم،۔ جوناگڑھی، محمد صاحب، شمع بک ایجنسی، یوسف مارکیٹ اردو بازار لاھور، ج ۲، ص ۳۰۴

[9]ـ الطبري، أبو جعفر، محمد بن جرير بن يزيد، جامع البيان في تأويل القرآن، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ، ج۳۳، ص۱۵۵

[10]ـ الطبري، أبو جعفر، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير، جامع البيان في تأويل القرآن، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ، ج۳۳، ص۱۵۵

[11]ـ الطبري، أبو جعفر، محمد بن جرير بن يزيد بن كثير، جامع البيان في تأويل القرآن، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ، ج۱۴، ص۱۴۰

[12]ـ القرطبي۔ أبو عبد الله، شمس الدين، محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي، تفسير القرطبي، دار الكتب المصرية – القاهرة، الطبعة: الثانية، ۱۳۸۴ھ، ج۱۶، ص۳۳۸

[13]ـ الرازي، فخر الدين، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي، مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة - ۱۴۲۰ھ، ج۱۵، ص۵۱۱

[14]ـ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، دار الكتب العلمية، - بيروت، الطبعة: الأولى - ۱۴۱۹ھ، ج۷، ص۳۸۴

[15]ـ البقرة۔۱۹۱

[16]ـ الجصاص، أبو بكر، أحمد بن علي الرازي، أحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي – بيروت، ج۵، ص۳۷۹

[17]ـ الانفال۔۶۷

[18]ـ السرخسي، المبسوط، دار المعرفة – بيروت، ۱۴۱۴ھ، ج۱۰، ص۳۰

[19]ـ السرخسي، المبسوط، دار المعرفة – بيروت، ۱۴۱۴ھ، ج۱۰، ص۵۴

[20]ـ علي بن أبي بكر بن عبد الجليل، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، دار احياء التراث العربي - بيروت – لبنان، ج۳، ص۳۸۰

[21]ـ السرخسي، المبسوط، دار المعرفة – بيروت، ۱۴۱۴ھ، ج۱۰، ص۱۳۸

[22]ـ السرخسي، المبسوط، دار المعرفة – بيروت، ۱۴۱۴ھ، ج۱۰، ص۵۴

[23]ـ السرخسي، شرح السير الكبير، الشركة الشرقية للإعلانات، ۱۹۷۱م، ج۱، ص۳۵۳

[24]ـ الطيالسي،۔ أبو داود سليمان بن داود بن الجارود، مسند أبي داود الطيالسي، دار هجر – مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ- ج۲، س۱۸۱

[25]ـ السرخسي، شرح السير الكبير، الشركة الشرقية للإعلانات، ۱۹۷۱م، ج۱، ص۱۵۸۷

[26]ـ القرافي، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكي، الذخيرة، دار الغرب الإسلامي۔ بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۹۹۴م ج۳، ص۴۱۵

[27]ـ الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس، الأم، دار المعرفة – بيروت، ۱۴۱۰ھ- ج۴، ص۳۰۵۔ ابن قدامة، أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة، المغني لابن قدامة، مكتبة القاهرة، ۱۳۳۸ھ، ج۹، ص۳۳۰

[28]ـ علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدي، دار احياء التراث العربي - بيروت – لبنان، ج۲، ص۳۸۴

[29]ـ القرافي، أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكي، الذخيرة، دار الغرب الإسلامي۔ بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۹۹۴م ج۳، ص۴۱۵

[30]ـ الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الأحكام السلطانية، دار الحديث – القاهرة، ج۱، ص۳۰۷

[31]ـ الرازي، فخر الدين، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي، مفاتيح الغيب = التفسير الكبير، دار إحياء التراث العربي – بيروت، الطبعة: الثالثة - ۱۴۲۰ھ، ج۱۵، ص۵۰۹۔۔۵۱۰